باب۔۱۶

تمہید
فص سلیمانیہ

رحمت دو قسم کی ہے۔ ۱) امتنانی۔ ۲) وجوبی۔۔۔ رحمتِ امتنانی، ابتدائی رحمت جو کسی عمل کی جزا کے طور پر نہیں (ہوتی)۔ رحمتِ وجوبی، جو کسی عمل کی وجہ سے ثواب اور جزا کے طور پر کی جاتی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر جزائے عمل واجب کر لیا ہے۔ یہ واجب کر لینا بھی ایک قسم کا امتنان ہے، (احسان ہے)۔ کیوں کہ کسی غیر نے اس کو واجب نہیں کیا۔ رحمتِ امتنانی میں سب کی گنجائش ہے، نیک ہو یا بد۔ (سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۶ میں ان دونوں رحمتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ، (یعنی) میری رحمت میں ہر شئے کی سمائی ہے۔ رحمتِ وجوبی نیکوں سے خاص (ہے)۔ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ (یعنی) میں {اپنی رحمت کو} متقیوں کے لیے لکھ دیتا ہوں۔ خود پر واجب کر لیتا ہوں۔۔۔ رحمتِ امتنانی سے وجود ملتا ہے، اور رحمتِ وجوبی سے ہر طرح کی جزا و ثواب۔

پھر رحمت کی دو (اور) قسمیں ہیں۔ (۱) رحمتِ عام۔ (۲) رحمتِ خاص۔ رحمتِ عام کو "رحمانیت" اور رحمتِ خاص کو "رحیمیت" کہتے ہیں۔ شانِ رحمانیت کا اثر ممکنات و مخلوقات ہی پر نہیں پڑتا بلکہ اس کا اثر اسمائے الٰہیہ پر بھی پڑتا ہے۔ اسمائے الٰہیہ کے مظاہر پیدا کیے جاتے ہیں تو ان کے کمالات نمایاں ہوتے ہیں۔ مظاہر کا پیدا کرنا گویا اسمائے الٰہیہ پر رحم کرنا ہے۔

جس طرح سانس مختلف مخارج پر سے گزرتی ہے تو لفظ اور کلمہ بنتا ہے (اسی طرح) شانِ رحمانیت مختلف اسمائے الٰہیہ پر سے گزرتی ہے تو لفظ کُن سے کلمہ پیدا ہوتا ہے۔ شانِ رحمانیت کے ہمیشہ اثر کرتے رہنے کو "نفسِ رحمانی" (کہتے ہیں)، اور ہر مخلوق کو جو کُن سے بذریعہ نفسِ رحمانی پیدا ہوتا ہے "کلمۃ اللہ" کہتے ہیں۔

مخلوقات کا ایک دوسرے سے افضل ہونا، باہمی تفاضل (ہے)۔ ہر چند کہ موجود بالذات، ذاتِ واجب کے سوا کوئی نہیں۔ ذاتِ حق کے سوا جتنے ہیں سب انتزاعی ہیں۔ خارج میں صرف ذاتِ حق ہے۔ ہویتِ واجبہ ہے۔ پھر بعض بعض سے افضل کیوں ہیں۔۔؟ (دراصل) یہ ان کے حقائق و ماہیات اور اعیان ثابتہ کا اقتضا ہے۔

دیکھو! خود اسمائے الٰہیہ میں باہم تفاضل ہے۔ حیات تمام صفات کی اصل ہے۔ اس کے بعد علم کا مرتبہ ہے۔ علم ارادے پر حکومت کرتا ہے۔ ارادے کی حکومت قدرت پر ہے۔ علم کے بعد ارادہ ہوتا ہے۔ ارادے سے

تعیین (یعنی ایک طرح کی تیاری) ہوتی ہے، تو قدرت اپنا عمل کرتی ہے۔ جب اسمائے الٰہیہ میں تفاضل (یا امتیاز) ہے تو حقائقِ مخلوقات میں تفاضل کیا دشوار ہے۔ باوجود یہ کہ سب کی اصل منشائے انتزاع، ذاتِ حقہ ہے۔

انسانی عالم، جنّی عالم سے افضل و قوی تر ہے۔ دیکھو! عفریت نے، جو شاہِ جن تھا، حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا کہ تختِ بلقیس کو دربارِ سلیمانی برخاست ہونے سے پیشتر حاضر دربار کرتا ہوں۔ اور آصف بن برخیا، جو انسان تھے، بیک چشم زدن تختِ بلقیس کو "ملک سبا" سے اڑالائے۔ ظاہر ہے کہ چشم زدن کا زمانہ (یعنی پلک جھپکنے کا وقت) مجلس برخاست ہونے کے زمانے (یا وقت) سے بہت کم ہے۔ ایک لحظہ میں ثوابت (یعنی تکمیل) تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ تجددِ امثال کیا ہے۔۔۔؟ بالذات سے بالعرض کو بالاستمرار (یعنی مسلسل) (جو) امدادِ وجود ملتی رہتی ہے (اسے تجددِ امثال کہتے ہیں)۔ دیکھو! نورِ شمس بالذات ہے اور نورِ قمر بالعرض۔ اگر ایک لمحے کے لیے نورِ شمس قمر پر نہ پڑے تو چاند کی وہی بے نوری ہے جیسے کہ سورج گرہن (کسوف) اور چاند گرہن (خسوف) میں واقع ہے۔ (اسی طرح) چراغ روشن ہے (تو) لوگ سمجھتے ہیں کہ شعلہ قائم ہے، حالاں کہ ہر آن تازہ تیل اس کی امداد کر رہا ہے۔ چوں کہ پچھلی حالت اگلی حالت سے مشابہ ہے اس لیے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ موجود ہے، مستمر ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم ہے۔ ہر شئے ہر آن اس کی طرف محتاج ہے، بقائے ذات میں بھی (اور) بقائے صفات میں بھی۔ ہر لحظہ ممکن اپنے عدم ذاتی اور قہر احدیت سے فنا ہوتا ہے اور رحمتِ رحمانیہ وجود عطا کرتی چلی جاتی ہے۔ اشاعرہ نے تجدد امثال کے مسئلے کو اعراض میں تو حق سمجھا کہ اعراض جواہر کے ہر آن محتاج ہیں۔ جواہر سے دائمی امدادِ وجود ہوتی ہے مگر ان کو خبر نہیں (کہ) حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے (یا) الا کل شئیی ما خلا اللہ باطل۔ سوائے ذات حقہ کے کوئی اس قابل نہیں کہ اس کو جوہر اور مستقل وجود رکھنے والا جانیں۔

آصف بن برخیا (وزیرِ سلیمانؑ) نے وہ تجلیِ وجود جو ملک سبا میں تختِ بلقیس پر ہو رہی تھی اس کو دربار سلیمانی کی طرف متوجہ کر دیا اور تخت موجود ہو گیا۔ خوارق عادت کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ ارواح سنگ، ارواح درخت، تسخیر جنّات، تسخیر ارواح کواکب، تسخیر ارواح خبیثہ، اپنی قوتِ ارادی، ول پاور کا استعمال، آیات قرآنی و اسمائے الٰہیہ سے استمداد، کرامت اور معجزے میں انسان کے فعل کو دخل نہیں۔ حق تعالیٰ اپنے محبوبوں کے اعزاز کے لیے کرشمۂ قدرت دکھا دیتا ہے۔ نہ ہمت کی ضرورت، نہ توجہ قلبی کی حاجت۔ بظاہر انسان کا قول ہوتا ہے اور تاثیر "قویٌ عزیز" کی رہتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے جو عطیہ عطا فرمایا تھا یہ تھا کہ نہ وہ ہمت دلی لگاتے تھے (اور) نہ وہ اسمائے الٰہیہ ہی سے مدد لیتے تھے۔ صرف حکم دیتے اور چیز ہو جاتی۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی خواہش پوری کی جاتی ہے تو آخرت کے عطایا سے نقصان و کمی واقع ہوتی ہے اور اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ خود سے دے یا دعا کا حکم دے تو اس کی ذمہ داری اس شخص پر عائد نہیں ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمانؑ کو حکم ربّ تعالیٰ ہوا تھا کہ ایسے عظیم ملک کے لیے دعا کریں۔

چوں کہ حبیبؐ خدا کو وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا [(یعنی) اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر، (طٰہٰ: ۱۱۴)]، کا حکم تھا اور حضورؐ کو حکم دینا عین امت کو حکم دینا ہے، لہٰذا دعائے طلبِ زیادت علم میں کسی قسم کا نقصان نہیں۔